رجسٹرڈ آصفیہ نمبر ۱۵۸

شرح چندہ
سالانہ ......
ششماہی ......
سہ ماہی ......

قیمت فی پرچہ ۲ر

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی عثمانیہ

رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر

شرح چندہ
سالانہ ......
ششماہی ......
سہ ماہی ......

قیمت پرانا پرچہ ۴ر

جلد ۵ | ۲۴ آبان ۵۴ف | ۲۲ شوال ۶۴ھ | ۲۹ ستمبر ۱۹۴۵ء شنبہ | نمبر ۲۴

ہندوستانی مزدوروں کا مستقبل

حکومت ہند بیروزگاری کے خطرہ کا کس طرح انسداد کر سکتی ہے

بدیسی اشیاء کی درآمد پر کنٹرول کی ضرورت

جنگ کے اختتام کے ساتھ اس ملک کے مزدور پیشہ طبقے ایک نازک صورت حال سے دوچار ہو رہے ہیں۔ اس عبوری دور میں ہندوستانی مزدوروں سے متعلق جو مسائل پیدا ہوں گے اُن میں بیروزگاری اور اُجرتوں کی تخفیف کے مسئلہ کو فوری اہمیت حاصل ہے۔ مزدوروں کی علحدگی عمل میں لائی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے بمبئی اور کلکتہ کے دارالضرب کے مزدور علحدہ کئے گئے۔ یہ بھی سنا جا رہا ہے کہ ریلوے بورڈ تقریباً تین لاکھ کارکنوں کے مزدوروں کو علحدگی کی نوٹس دینے والا ہے۔ بنگال کی جن کی گرنیوں کے مزدوروں کی ایک بڑی تعداد علحدہ کی جا چکی ہے۔ مستقبل قریب میں سرکاری اور خانگی کارخانوں کے مزدوروں میں تخفیف عمل میں آئے گی۔

اس طرح بیروزگاری کا بھیانک منظر ہندوستانی مزدوروں کے سامنے آ رہا ہے۔ کتنے مزدور بیروزگار ہو جائیں گے اس کا اندازہ حسب ذیل اعداد سے لگایا جا سکتا ہے۔ پچاس لاکھ سے زیادہ افراد کو جنگ سے پیدا شدہ حالات کی وجہ سے روزگار میسر ہوا تھا۔ ان میں سے دس لاکھ سے زیادہ کارخانوں اور دوسری صنعتوں میں مامور ہوئے۔ چھوٹی صنعتوں اور متعدد جنگی محکموں میں کئی لاکھ کام سے لگ گئے۔ اس کے علاوہ تقریباً بیس لاکھ افراد جن کا مزدور پیشہ طبقہ سے تعلق ہے موجودہ سطح فوجوں میں ملازم ہیں۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ ایسا ہر فرد اپنے چار متعلقین کی پرورش کرتا ہے تو بیروزگاری سے متاثر ہونے والوں کی تعداد دو کروڑ تک پہونچ جاتی ہے۔ اگر فراہمی روزگار کی موجودہ سطح کو برقرار نہیں رکھا گیا تو ہندوستان کے مزدور پیشہ طبقے کو غیر معمولی نازک صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بیروزگاروں کی تعداد بڑھنے سے ان لوگوں کی اجرتوں پر اثر پڑے گا جو برسر کار رہیں گے۔ طلب و رسد کا قانون مزدوروں کو مجبور کر دے گا کہ کم سے کم اجرت پر اپنی محنت فروخت کریں۔ اس طرح بیروزگاری کا اجرتوں کے مسئلہ سے قریبی تعلق رہتا ہے۔

وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ فراہمی روزگار کی موجودہ سطح کو برقرار رکھا جائے جب تک ایسا نہ کیا جائے گا مابعد جنگ تنظیم کی جد آہنگی بے معنے ثابت ہوگی۔ روزگار کی موجودہ سطح کو اگر قائم نہ رکھا گیا تو امپلائمنٹ اسکیم کا مقصد پورا نہ ہوگا جو حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں قدرتی وسائل کی بہتات ہے روزگار کی فراہمی مشکل نہیں۔ زمانہ جنگ میں جن اشیاء کی قلت تھی وہ ہندوستان میں تیار کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے پارچہ بافی کے کارخانے اپنی پیداوار کی موجودہ سطح کو برقرار رکھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہندوستان کی مارکٹوں پر بدیسی پارچہ قبضہ نہ کرے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت ساری دنیا میں پارچہ کی قلت ہے۔ اسی طرح دوسری اشیائے صرف کی بھی قلت ہے۔ اگر ہندوستان کو کافی مقدار میں ان اشیائے صرف کی تیاری کا موقع دیا جائے اور ہندوستان میں مشنری کی تیاری کے مواقع فراہم کئے جائیں تو بیروزگاری کا مسئلہ بہت آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ برطانیہ امریکہ اور دوسرے ممالک سے اشیائے صرف درآمد کی جائیں کیونکہ ایسی درآمد سے ہندوستانی صنعتوں پر مضر اثر پڑے گا۔ ان ہندوستانی صنعتوں کی مدد کی جائے جو حفاظت کی مستحق ہیں۔ اسی طرح مختلف اشیاء کی قیمتوں پر نگرانی قائم رکھ کر صارفین کو بھی مدد دی جائے۔ اس کی بھی ضرورت ہے کہ مزدوروں کے ایک معقول معیار زندگی کو قائم رکھنے کے لئے قوانین نافذ کئے جائیں۔

فراہمی روزگار کا پروگرام مرتب کرتے وقت تعمیر مکنہ کے مسئلہ کو سب سے زیادہ اہمیت دینی ہوگی۔ تعمیر مکنہ سے ایک طرف روزگار فراہم ہوگا اور دوسری طرف بڑے شہروں میں غریب اور متوسط طبقوں کے لئے مکانات تعمیر کرنے سے حاجتمندوں کی [illegible] دور ہو جائے گی۔ گزشتہ چھ سال کے دوران میں مکانات کی تعمیر موقوف

بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۱ پر

مملکت ہفتہ وار

جلد ۵ ۲۴ آبان ۱۳۵۵ف نمبر ۲

لارڈ ویول کا جدید اعلان

حکومت حیدرآباد کا فوری فریضہ

لارڈ ویول کے جدید اعلان کے دو اجزا ایسے ہیں جو اہل حیدرآباد اور حکومت حیدرآباد کی توجہ کا مرکز بنے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (۱) پہلا جزو یہ ہے کہ مجلس دستور ساز کی حیثیت اس کے اختیارات اور اس کے طریقہ کار کی نسبت ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں سے بھی تبادلۂ خیال کیا جائے گا۔ (۲) دوسرا جزو یہ ہے کہ ہندوستان اور برطانیہ عظمیٰ کے مابین ایک معاہدہ کا مسودہ ملک معظم کی حکومت کے زیر غور آ چکا ہے۔

وائسرائے کے اعلان میں اس مشورت کی غایت بھی بتلائی گئی ہے جو ہز ایکسلینسی ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں سے فرمائیں گے۔ غایت یہ ہوگی کہ یہ معلوم کیا جائے کہ ہندوستانی ریاستیں مجلس دستور ساز میں کسی طریقہ پر حصہ لیں گی۔ وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے جس بنی نشری تقریر میں فرمایا کہ ۲۰ اگست کے اعلان میں یہ چیز مضمر تھی کہ حکومت برطانیہ اور ہندوستان کی مجلس دستور ساز کے مابین ایک معاہدہ ہوگا۔ اس کے بعد ہی آپ نے فرمایا کہ حکومت برطانیہ نے ایسے معاہدہ کے مندرجات پر پوری غور کرنا شروع کر دیا ہے۔

ان بیانات پر ہمارا ایک اعتراض یہ ہے کہ جب ہندوستان کی مجلس دستور ساز ابھی معرض وجود میں آئی ہی نہیں اور اس نے اپنے منشا کا کوئی اظہار ہی نہیں کیا تو ایسی مجلس اور حکومت برطانیہ کے مابین طے پانے والے معاہدہ کے مندرجات اس قدر جلد کس طرح زیر غور آ سکتے ہیں؟ کیا برطانوی حکومت مفروضات اور قیاسات پر اپنے نقطۂ نظر کو مبنی کر رہی ہے؟ یہ ایک ایسی بات تھی جو ہماری سمجھ میں نہیں آئی جس کا ہم نے ضمناً ذکر کر دیا۔

لیکن اصل بات جو ہمیں کہنی ہے یہ ہے کہ جب حکومت برطانیہ اور نیز حکومت ہند نے ہندوستان کی دستوری تبدیلیوں سے متعلق اپنے مصمم ارادہ کا اعلان کر دیا ہے تو اس اعلان کے بعد حکومت حیدرآباد پر چند نہایت اہم اور سنگین ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ مسٹر اٹیلی نیز وائسرائے بہادر کی نشری تقریروں میں ان مشکلات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اس اسکیم کی کامیابی کے راستہ میں حائل ہو سکتی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ہم نے طے کر لیا ہے کہ ان مشکلات پر قابو پائیں"۔ اس کے علاوہ حکومت ہند کے ایک ترجمان نے یہ بھی بتایا ہے کہ ملک معظم کی حکومت کو ان ساری مشکلات کا اندازہ ہے جو پیش آ سکتی ہیں۔ اور وائسرائے بہادر کا یہ اعلان کہ ہر مشکل پر قابو پانے کا تہیہ کیا جا چکا ہے ان حضرات کو مطمئن کرنا چاہتے جنہیں یہ اندیشہ ہے کہ یہ کارروائی بھی پچھلی کارروائیوں کی طرح بے نتیجہ رہے گی۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو ان اصحاب سے متفق نہیں پاتے جو یہ فرض کر رہے ہیں کہ اس دفعہ بھی کوئی خاص تبدیلی نہ ہوگی اور صورت حال بدستور برقرار رہے گی۔ ہماری رائے میں دانشمندی اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ہم یہ فرض کریں کہ دستوری تبدیلیوں کی گاڑی اب چل نکلی ہے۔ ممکن ہے کہ ہم پر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہم برطانوی مدبرین کے وعدوں پر بہت بھروسہ کرنے لگے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب بین الاقوامی صورت حال میں ملتا ہے۔ اگر حکومت برطانیہ کچھ کرنے کی نیت سے آگے بڑھ رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ سے پیدا شدہ حالات کے تحت حکومت برطانیہ کچھ نہ کچھ کرنے پر مجبور ہو گئی ہے۔ اور برطانیہ کے اس عزم کی تہہ میں بین الاقوامی دباؤ کام کر رہا ہے۔ اس لئے ہم اس مفروضہ میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ اس دفعہ کچھ ہو کر ہی رہے گا۔

وزیر اعظم برطانیہ اور وائسرائے بہادر کے بیانات سے جو تنقیحات پیدا ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) کیا حکومت حیدرآباد کو مجلس دستور ساز میں شرکت کرنی چاہئے؟ (۲) اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہے تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس حیثیت سے شرکت کی جانی چاہئے؟ اور کن تحفظات اور شرائط کے تحت؟ (۳) مجلس دستور ساز میں شرکت کے بعد مسائل زیر بحث سے متعلق حکومت حیدرآباد کا کیا نقطۂ نظر ہونا چاہئے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ مسائل زیر بحث کیا ہوں گے؟ (۴) جب یہ اعلان ہو چکا ہے کہ حکومت برطانیہ اور مجلس دستور ساز (یعنی ہندوستان) کے مابین ایک معاہدہ ترتیب پانے والا ہے تو ان معاہدات کی کیا حیثیت ہوگی یا باقی رہے گی جو ہندوستانی ریاستوں اور تاج برطانیہ کے مابین فی الوقت موجود اور نافذ ہیں۔ (۵) حیدرآباد اور برطانوی ہند کے باہمی تعلقات (آئینی اور معاشی) کن اصولوں اور کن تحفظات کے تحت قائم کئے جائیں گے۔

ہم نے حالیہ اعلانات سے پیدا ہونے والی تنقیحات میں سے صرف پانچ اہم تنقیحات کا ذکر کیا ہے۔ ورنہ ان کے علاوہ اور بھی تنقیحات پیدا ہوتی ہیں نیز ہر تنقیح اپنے تشفی بخش تصفیہ کے لئے کئی ضمنی تنقیحات کے مطالعہ اور فیصلہ کا مطالبہ کرتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا حکومت حیدرآباد کا یہ فرض نہیں کہ ان تنقیحات پر ابھی سے غور و خوض شروع کر دے۔ ہماری یہ رائے ہے کہ اگر حکومت ایسا نہ کرے تو وہ اپنے ایک اہم فریضہ سے غافل رہے گی۔ ایک سوال یہ بھی ہے کہ غور و خوض کا طریقہ کیا ہو۔ ہماری رائے میں اس غرض کے لئے ایک مجلس کی تشکیل ضروری ہے جس کے صدر نواب صدر اعظم بہادر ہوں اور جس کے داعی نواب علی یاور جنگ بہادر ہوں جو ان مسائل میں ماہرانہ حیثیت کے حامل ہیں۔ اس مجلس میں چند ارکان کونسل — مثلاً نواب سر مہدی یار جنگ بہادر، آنریبل مسٹر گرگسن، آنریبل دیوان بہادر آراوامودو آئنگار، اور آنریبل مسٹر زاہد حسین — اور چند معتمدین مثلاً نواب فضل نواز جنگ بہادر اور نواب معین نواز جنگ بہادر وغیرہ ہوں اور کم از کم دو غیر سرکاری ارکان شامل کئے جائیں۔ اس کمیٹی کو اختیار ہو کہ اگر وہ ضرورت سمجھے تو ماہرین سے یا پبلک کارکنوں کے آراء سے استفادہ کرے۔ اس کمیٹی کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ آئندہ چار ماہ کے اندر تنقیحات بالا سے متعلق اپنی رائے باب حکومت کے توسط سے بارگاہ خسروی میں پیش کرے کہ ملاحظہ

معلوم کرے۔ اگر یہ مہم حسن و خوبی تکمیل پا جائے تو حیدرآباد اس مرحلے کے لئے تیار ہو جائے گا جب انڈین یونین حکومت حیدرآباد کو دعوت مشاورت دے گی۔ ہم نے اس کمیٹی میں غیر سرکاری ارکان کی شمولیت کو اس لئے ضروری کہا کہ شاید مجلس دستور ساز میں ریاستوں سے غیر سرکاری نمائندوں کو مدعو کیا جائے۔ اگر ایسا تصفیہ ہوا اور حکومت سرکار عالی اس تصفیہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو تو ان دو غیر سرکاری ارکان کی شمولیت اس نوبت پر کام آئے گی۔

یہ مسئلہ دراصل نواب علی یاور جنگ بہادر کی خصوصی اور ماہرانہ توجہ کا مسئلہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ نواب صاحب کا دماغ اس مسئلہ پر مصروف کار ہو گیا ہوگا۔ پبلک کارکنوں اور اخبارات کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ ان مسائل پر اپنی غور کردہ رائے ـــــ شورش پسندوں کی حیثیت سے نہیں بلکہ مدبرین کی حیثیت سے ـــــ حکومت کے آگے پیش کریں تاکہ حکومت تصفیہ کے مستقبل کو سنوارنے میں مدد دیں۔ ہمارے ذہنی اختلافات اگر وہ ملکی نہیں حقیقی بھی ہیں تو رفتہ رفتہ ہوتے رہیں گے۔ ایسے اختلافات اس بنیادی نصب العین کے حصول میں حائل نہیں ہو سکتے کہ حیدرآباد کو ہندوستان میں ایک آزاد و خوشحال سیاسی وحدت کی حیثیت سے باوقعت طور پر قائم و برقرار رہنا چاہئے اور اس کی معاشی ترقی کے راستہ میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو جانی چاہئیں۔ ہمیں امید ہے کہ شورش پسندی کے جذبہ پر تدبر غالب آجائے گا۔

ہماری معاشی جنگ

ہم مولوی میر اکبر علی خان صاحب بیرسٹر کو مبارکباد دیتے ہیں کہ موصوف کی پیش کردہ قرارداد کو کل ہند مرکزی مجلس اغذیہ نے بغیر ترمیم قبول کر لیا۔ قرارداد یہ تھی کہ دیہاتی غلہ بنکوں کو ترقی دینے اور زرعی پیداوار کی نکاسی کو امداد باہمی کے تفویض کرنے کے لئے تمام صوبائی اور ریاستی حکومتوں کو ضروری تدابیر اختیار کرنی چاہئے۔

اس قرارداد کی منظوری کے چند ہی روز بعد اس کمیشن کی رپورٹ کا خلاصہ اخبارات میں شائع ہوا جو بنگال کے غذائی بحران کے وجوہ دریافت کرنے کے لئے سرجان اوڈ ہیڈ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس کمیشن نے بھی یہ رائے دی ہے کہ زرعی پیداوار کی فراہمی اور تقسیم امداد باہمی کے اصول پر ہونی چاہئے دوسرے الفاظ میں اس اقلیم تجارت سے درمیانی نفع اندوزوں کو نکال باہر کرنا چاہئے۔ کمیشن کی رائے ہے کہ اغذیہ کی قیمتوں ان کے حمل و نقل ان کی فراہمی اور تقسیم پر کم از کم مزید آٹھ سال تک نگرانی قائم رہنی چاہئے۔

ان سفارشات سے حکومت حیدرآباد کی اس پالیسی کو تقویت پہنچتی ہے جو زیر [illegible] مولوی غلام محمد صاحب سابق صدرالمہام فینانس نواب لطف نواز جنگ بہادر اور مولوی رضی الدین صاحب نے تقریباً دو سال قبل اغذیہ کی نسبت حکومت حیدرآباد قابل مبارکباد ہے کہ اس کی اختیار کردہ پالیسی کی توثیق اور تقلید دیگر حصص ہند میں بھی کی جا رہی ہے۔ حالیہ جنگ نے اس حقیقت کا انکشاف کر دیا کہ غذا جیسی اہم ترین ضرورت کی تکمیل کے لئے بھی ہندوستان کی مفلس آبادی سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دی گئی تھی۔ عوام الناس کی زندگی اور موت ان کے جذبہ نفع اندوزی کے تابع ہو گئی تھی۔ عام حالات کے تحت اس بھیانک حقیقت کا انکشاف آسان نہ تھا کیونکہ لوگ اس خاموش ظلم و تعدی کے عادی ہو چکے تھے۔ لیکن دوران جنگ میں جب اس جذبہ نفع اندوزی کو پر لگے تو ہندوستان کے عوام کو بالعموم اور بدنصیب بنگال کے عوام کو بالخصوص پتہ چلا کہ ان کی زندگیاں کس بے رحم طبقہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کیا اس انکشاف کے بعد بھی حکومتوں کا ضمیر عوام کو اس بے رحم اور خود غرض طبقہ کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھنا گوارا کرتا؟ سلاطین آصفیہ کا شیوہ حکمرانی یہ رہا ہے کہ عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی سہولت کو ہر چیز پر مقدم کیا جائے۔ انہی روایات کے پیش نظر حکومت نے اپنی موجودہ غذائی پالیسی نافذ کی جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ غذا پیدا کرنے والوں کو ان کی محنت کا شافی معاوضہ ملے اور ان کی پیداوار صارفین تک ایسی وساطت سے پہنچے جو نفع اندوزی کے جذبہ کا شکار نہ ہو سکتا ہو۔ ایسا ذریعہ بجز انجمن ہائے امداد باہمی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ حکومت کا منشاء یہ ہے کہ زرعی پیداوار کو اکٹھا کر کے فروخت کرنے کا کام کاشتکاروں کی انجمن انجام دے۔ اس مال کو حاصل کر کے اس کی تقسیم کا کام صارفین کی انجمن کے سپرد کیا جائے۔ چونکہ دونوں انجمنیں امداد باہمی کے اصول پر تشکیل پائیں گی اس لئے یہ قانوناً پابند ہوں گی کہ (۱۰) فی صد سے زیادہ منافع حاصل نہ کریں۔ اس طرح نفع اندوزوں کے جذبہ کو قانون کے شکنجے میں جکڑ دیا گیا ہے۔

مولوی اکبر علی خان صاحب نے بہت اچھا کیا کہ حیدرآباد کے اس دو سالہ تجربہ کو سارے ہندوستان کی قبولیت کے لئے دہلی کی مرکزی مجلس اغذیہ میں پیش کر دیا اور دہلی کی مجلس نے اپنی دوربین نگاہ سے اس تجویز کے مفید مضمرات کو تاڑ لیا۔ اور تحقیقاتی کمیشن کی غور کردہ سفارشات نے اس تجویز پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

اوڈ ہیڈ کمیشن نے اپنی سفارشات میں ـــ قاضی عبدالغفار صاحب اور مرزا مقصود احمد خاں صاحب کی مخالفت کے باوجود ـــــ گوداموں کی تعمیر پر بہت زور دیا ہے۔ کمیشن کی رائے ہے کہ اچھے داموں پر زرعی پیداوار کی نکاسی میں سب سے بڑی رکاوٹ گوداموں کا فقدان ہے۔ مولوی غلام محمد صاحب سابق صدرالمہام فینانس کی عاقبت اندیشی سے حیدرآباد نے جو مفید اقدام کیا ہے خوشی کی بات ہے کہ اس کی تائید حکومت ہند کے حلقوں سے ہو رہی ہے۔

ہم اس موقع پر مولوی جمیل حسن صاحب ناظم سررشتہ امداد باہمی کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ان کی ذمہ داریاں کس درجہ اہم اور سنگین ہو گئی ہیں۔ جمیل حسن صاحب نے ممالک محروسہ سرکار عالی کے معاشی نظام کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ عوام ان کی معاشی آزادی کی جنگ کے سپہ سالار ہیں۔ سرمایہ دار کبھی سپر انداختہ اختیار نہیں کرتا۔ کبھی وہ حکومتی حلقوں میں اثر پیدا کرتا ہے جیسا کہ مرزا مقصود احمد خاں صاحب گزشتہ تین سال سے سرمایہ داروں کی جنگ حکومتی حلقوں میں لڑ رہے ہیں۔ کبھی وہ پروپیگنڈہ کرتا ہے۔ کبھی وہ تحریک کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے اگرچہ اس کی نیت جارحانہ ہوتی ہے۔ مولوی جمیل حسن صاحب کو ملک کی (۹۵) فی صد آبادی کی تائید حاصل ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ ہمارے نئے صدرالمہام فینانس بھی ان کا پورا پورا ساتھ دیں گے۔ زیادہ امید افزا امر یہ ہے کہ ملک کا نوجوان طبقہ اور نیز تعلیم یافتہ اور واقف کار اصحاب حکومت کی اس پالیسی سے متفق ہیں بیشتر آزاد خیال ہندو لیڈر اور ان کی پوری جماعت اسی طرح مہاراشٹرا پریشد کا وہ عنصر جو عرف عام میں سوشلسٹ گروپ کہلاتا ہے حکومت کی اس پالیسی سے متفق ہے۔ خود مجلس اتحاد المسلمین کی ممبر اور واقف کار اکثریت مولوی ابوالحسن سید علی صاحب کی سرمایہ دارانہ پالیسی کو دل سے ناپسند کرتی ہے۔ اس بیان کا ہمارے پاس کافی ثبوت ہے۔ حال ہی میں مسٹر رشید ترابی نے جن خیالات کا اخبارات میں اظہار کیا ہے وہ اسی واقف کار اکثریت کی ترجمانی ہے۔ بجز سیاست حیدرآباد کے کوئی اخبار سرمایہ داروں کی تائید میں نہیں ہے۔ اس طرح فضا سازگار ہے اور میدان جمیل حسن صاحب کے لئے کھلا ہوا ہے۔ ہماری نیک تمنائیں ان کے ساتھ ہیں۔

مشرق بعید پر امریکہ کا تسلط

از

یم، ین، رائے

بحرالکاہل میں امریکہ اپنے دفاعات کو مستحکم کر رہا ہے۔ آخر ان دفاعات کا مقصد کیا ہے؟ بحرالکاہل میں امریکہ کی حیاتت کو مستقبل میں کس طاقت سے خطرہ ہے! جاپان کی غیر مشروط اطاعت کے بعد یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ یہ ساری دفاعی تیاریاں آئندہ جاپانی حملے کے اندیشے سے کی جا رہی ہیں۔ اگر مستقبل میں جاپانی حملے کا کوئی اندیشہ ہوتا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جو جرمنی کے ساتھ کیا گیا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ جاپان کے ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ کیا جا رہا ہے اگرچہ بظاہر بڑی سختی دکھائی جا رہی ہے بداہتہً پالیسی یہ معلوم ہوتی ہے کہ جاپان کے ساتھ وہ سلوک نہ کیا جائے جو جرمنی کے ساتھ کیا گیا۔

اگر بحرالکاہل میں امریکہ کی دفاعی تیاریوں کا منشا یہ ہے کہ آئندہ جاپانی حملے کے خطرہ سے محفوظ رہا جائے۔ جاپان کی فوجی طاقت کا قلع قمع کرنے کا یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔ یہ کہنا شاید مبالغہ سمجھا جائے کہ مشرق بعید کے امن پر جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ چین خانہ جنگی سے بچ گیا مگر مشرق بعید کی صورت حال میں بہتری پیدا نہیں ہوئی۔ اگر امریکہ کو جاپان سے خطرہ نہیں ہے تو مشرق بعید کی ایک دوسری طاقت سوویٹ روس ہے جس کو اٹلانٹک چارٹر میں اخلاقاً شریک کر لیا گیا ہے۔ کیا سوویٹ روس کی طرف سے کسی جارحانہ اقدام کا اندیشہ ہو سکتا ہے؟

امریکہ نے بحرالکاہل پر تسلط قائم کرنے کا ارادہ شاید اس خیال سے کیا ہے کہ اس کو ایشیا میں کوئی جنگ لڑنی ہوگی۔ صرف ایسی ہی جنگ کے اندیشے سے اور ایک درجہ اول کی طاقت سے تصادم کے قرائن سے امریکہ شمالی بحرالکاہل پر مکمل تسلط قائم کرنے کی ضرورت محسوس کر سکتا ہے تاکہ وہ مستحکم بحری مراکز قائم کر سکے۔ ظاہر ہے کہ ایسا تصادم سوویٹ روس ہی سے ہو سکتا ہے۔

لیکن ایسے تصادم کی وجہ آخر کیا ہو سکتی ہے؟ ایک وجہ چین ہو سکتی تھا۔ سوویٹ روس نے چین سے تیس سالہ معاہدہ کر کے چین کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی اختیار کرنے کا وعدہ کیا ہے اگر امریکہ بھی چین میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی اختیار کرے تو سوویٹ روس سے تصادم کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی اور مشرق بعید جنگ کے خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

بہت ممکن ہے کہ مشرق بعید میں امریکہ جارحانہ اقدام کے ارادے نہ رکھتا ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امریکہ مشرق بعید کو کسی دوسری طاقت کے اثر سے محفوظ دیکھنا چاہتا ہے چین اور روس کے معاہدہ کا چین کے اندرونی حالات پر کوئی گہرا اثر پڑے گا اور بہت ممکن ہے کہ امریکہ کا فاضل سرمایہ چین میں راستہ نہ پا سکے۔ اس طرح چین میں روس اور امریکہ کے مفادات کے مابین کشمکش شروع ہو جائے گی اور یہ دونوں ممالک دو متضاد نصب العین کے حامل ہیں۔

جاپان کے ساتھ جو نرم پالیسی برتی جا رہی ہے اس کو سمجھنے کے لئے اس پس منظر کو ذہن نشین رکھنا چاہئے۔ متحدین کی فوجوں کو جاپان میں اترنے کے لئے کئی ہفتے لگ گئے لیکن کوریا کے جنوبی حصہ پر قبضہ کرنے کے لئے امریکی فوج فی الفور روانہ کر دی گئی حالانکہ ابھی جاپان خاص پر قبضہ نہیں ہوا تھا۔ کیا کوریا کو سرخ فوج کے حوالے نہیں کیا جا سکتا تھا؟ سوویٹ حکومت نے اس تجویز کی تائید کی تھی کہ کوریا کو آزاد کر دیا جائے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ شکست خوردہ جاپان سے زیادہ اپنے سوویٹ حلیف کی نسبت متفکر ہے۔ امریکہ کے نزدیک جاپان کو بے ہتھیار کرنے سے زیادہ بحرالکاہل میں سوویٹ روس کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ شکست خوردہ جاپان کے متعلق جو پالیسی امریکہ اختیار کر رہا ہے اس سے نہ صرف شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں بلکہ بعض برطانوی جرائد میں صاف طور پر تنقید کی جا رہی ہے۔ لنڈن ٹائمز لکھتا ہے کہ:-

"بین الاقوامی جارحانہ اقدام فی الوقت خارج از بحث ہے۔ عالمگیر جنگ کے نتیجے کے طور پر خالص حکومت جمہوری اداروں کے ذریعہ قائم ہو رہی ہے۔ پس جاپان بھی انتخابات عمل میں لائے گا اور غیر سرکاری امیدواروں کو انتخابات لڑنے کا موقع ملے گا۔ بین الاقوامی حیثیت کے لئے اس کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں۔ ۱۹۱۸ء کی جنگ کے بعد بھی جاپان نے یہی کیا تھا لیکن جوں ہی فاتحین میں اختلافات پیدا ہوئے جاپان نے خیال کیا کہ مستقبل کی دنیا میں جمہوری نظام کا کوئی مقام نہیں۔ کیا اس امر کی کوئی ضمانت ہے کہ جاپان کی حالیہ روش دیرپا ہوگی اس سوال کا جواب جاپان سے زیادہ اس پالیسی پر منحصر ہے جو متحدین اختیار کر رہے ہیں۔ متحدین جاپان میں کوئی فوجی نظم و نسق قائم نہیں کریں گے۔ بلکہ خود جاپان کی حکومت کو اپنا آلۂ کار بنا لیں گے۔ جاپانیوں کو اپنے دماغ سے نسلی برتری کا خیال نکالنے کے لئے کافی عرصہ درکار ہوگا۔"

شہنشاہ جاپان کی تقریر کے علاوہ جس میں جاپانیوں کو ہتھیار ڈال دینے کا حکم دیا گیا تھا جاپان کے اور بھی سربرآوردہ اصحاب کی تقریریں ہوئیں جن پر کافی توجہ نہیں کی گئی۔ مثلاً جاپان کی اطاعت پذیری کے بعد صحیفہ نگاروں کی ایک جماعت نے ٹوکیو کا دورہ کیا۔ جاپان کے ایک بحری افسر کنڈاؤا نے ان صحیفہ نگاروں سے کہا "اب سب ختم ہو چکا۔ اب ہم ٹینس کھیل سکتے ہیں۔ جاپان کے بادشاہ کے حکم کی بنا پر جنگ میں شریک ہوئے اور حکم کی بنا پر جنگ موقوف کر دی۔ اس حکم کی وجہ میں نہیں جانتا۔"

شکست خوردہ جاپان کے ساتھ جبکہ یوں رعایتیں برتی جا رہی تھیں بحرالکاہل کو مسلح کرنے کا امریکہ کی طرف سے اعلان کر دیا گیا۔ تا وقتیکہ امریکہ جاپان پر نگرانی رکھنے کے علاوہ کسی اور مقصد کے تحت بحرالکاہل پر تسلط قائم رکھنا چاہتا ہو۔ جاپان کے ساتھ ایسی نرمی کا برتاؤ بے معنی ہے۔

صاف الفاظ میں امریکہ بحرالکاہل کے جزائر میں نوآبادیات قائم کر رہا ہے جو آئندہ جنگ میں فوجی مراکز کا کام دیں گے کیا اس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ مشرق بعید میں نصب العینوں کی جنگ کے لئے زمین تیار کی جا رہی ہے۔

گوداوری اسکیم

حکومت سرکار عالی پریس کا نوٹ

حکومت سرکار عالی پبلک کی اطلاع کے لئے گوداوری کی اسکیم ترقیات کے بارے میں حسب ذیل نوٹ شائع کر رہی ہے۔

اس اسکیم کو ناگرجن اسی ڈبلیو سلائرس سابق مشیر متعلق صدر المہام صنعت و حرفت نے آنریبل نواب زین یار جنگ بہادر، نواب علی نواز جنگ بہادر اور مسٹر خواجہ عظیم الدین ڈائرکٹر الیکٹریکل انجینئر و نگینین سرکل کے مشورہ سے مرتب کیا تھا۔ محکمہ تنظیم ما بعد جنگ سے متعلق مختلف مشتی کمیٹیوں نے جو کارخانہ داروں، فنی ماہروں اور سرکاری نمائندوں پر مشتمل تھیں اس اسکیم کے تمام پہلوؤں کی جانچ کی اور اس کے خاص اجزاء پر عام اتفاق پایا گیا اور اسے مجلس تنظیم ما بعد جنگ کے توسط سے مع سفارشات کے حکومت کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسی سلسلہ میں دوسرا اقدام یہ اٹھایا گیا کہ اس اسکیم کو روبہ عمل لانے سے متعلق مختلف مسائل پر مناسب غور و خوض کے بعد ایک باقاعدہ قطعی مسودہ مرتب کرنے کے لئے حکومت نے ایک خصوصی کمیٹی کو قائم کیا۔ یہ کمیٹی محکمہ جات مالگزاری، تعمیرات، تجارت، صنعت و حرفت، تنظیم ما بعد جنگ اور لیبارٹری کے معتمدین، چیف انجینئر برقی، چیف آرکیٹکٹ محکمہ ریلوے کے ایک نمائندہ اور مسٹر لایق علی پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی نے لائحہ عمل کے مختلف پہلوؤں یعنی پراجکٹس کے تخمینہ جات کی تیاری، برقی قوت پیدا کرنے کے آلات اور مشینوں کی تفصیلات اور دریائے گوداوری کے پانی کی تقسیم سے متعلق ہمسایہ صوبہ جاتی حکومتوں سے گفت و شنید کے بارے میں غور کیا۔ اس خصوصی کمیٹی کی ذیلی مجلس نے جو ماہرین پر مشتمل تھی ایک تھرمل اسٹیشن کے قیام کا تصفیہ کیا اور مشنری کی ضروریات کا تعین کیا چنانچہ "تھرمل اسٹیشن" کی تعمیر اور مشنری کی خریداری کا کام جاری ہے۔ تھرمل اسٹیشن قائم کرنے نیز نوجوان ملکی انجینیروں کو تربیت دینے کے لئے ایک دیرینہ تجربہ کار ماہر فن کا بطور خاص تقرر کیا گیا ہے۔

گوداوری اسکیم بجائے خود کوئی خاص فنی منصوبہ نہیں ہے۔ اس میں ان متعدد قدرتی وسائل سے بیش ترین استفادہ کے امکانات کے اظہار کی کوشش کی گئی ہے جن سے قدرت نے وادی گوداوری کو مالا مال کیا ہے۔ یہ از بس ضروری ہے کہ وادی گوداوری کی اسکیم ترقیات کی مختلف جزوں کو تفصیلی جانچ پڑتال کے لئے فنی ماہروں کے آگے پیش کیا جائے۔ آبپاشی کی اسکیم کی حد تک خود مملکت میں ماہرانہ فنی مشورہ مل سکتا ہے لیکن کم از کم بعض اہم صنعتوں کا تعلق ہے بیرون مملکت سے ماہرانہ مشورہ حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس لئے دو بیرونی ماہرین فن کی خدمات حاصل کی گئی ہیں جو جغرافیات اور صنعتوں کی ترقی کے بارے میں نہایت مفید اور قابل رپورٹیں پیش کر چکے ہیں۔ اس وقت یہ ضروری ہے کہ ان دوسری صنعتوں کے بارے میں بھی بیرون مملکت سے ماہرانہ فنی مشورہ حاصل کیا جائے جنہیں گوداوری اسکیم کے تحت فروغ دینے کی تجویز ہے۔ ان مختلف النوع فرائض اور اہم ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لئے نیز ماہرین فن کے مشوروں کے مطابق مختلف النوع مسائل میں ربط باہم پیدا کرنے کی غرض سے ایک خاص تنظیمی ادارہ قائم کیا گیا۔ یہاں اس بات کی وضاحت کرنا مناسب ہوگا کہ گوداوری کی اسکیم صرف برقی اور قابل قوت کی تخلیق یا آبپاشی کے کسی بڑے منصوبہ کی تکمیل یا زراعت کی ترقی ہی تک محدود نہیں بلکہ اس میں ایک جدید متعلق شہر کا قیام، ریلوے کی تعمیر، حمل و نقل کے دوسرے ذرائع کی ترقی اور آہن سازی جیسی اہم قومی صنعتوں کا قیام بھی شامل ہے۔

اس کے علاوہ اس کے معاشی اور سماجی پہلو بھی ہیں جن کو روبہ عمل لانا ضروری ہے۔ اس اسکیم کے ہر جزو کو بروئے کار لانے کے لئے صرف کسی ایک ماہر فن ہی کی نہیں بلکہ ماہرین فن کی ایک جماعت کے مشورے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر اس کو روبہ عمل لانے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھانا ممکن نہ ہوگا۔ اسی لئے حکومت سرکار عالی نے مقامی ماہرانہ مشورے سے اس حد تک استفادہ کرنے کی پالیسی اختیار کی ہے جس حد تک یہ دستیاب ہو سکتا ہے جن امور کے بارے میں مقامی طور پر ماہرانہ مشورہ حاصل نہیں ہو سکتا ان کی حد تک تصفیہ کیا گیا ہے کہ بغرض مشورہ مناسب مدتوں کے لئے بیرون مملکت کے ماہروں کی خدمات حاصل کی جائیں۔ حکومت کی پالیسی ہے کہ جہاں تک ہو سکے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو کم سے کم مدت میں تربیت دی جائے تاکہ بیرونی ماہرین کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔

(محکمہ اطلاعات)

اجناس خوردنی کی فراہمی اور تقسیم کا انتظام مستقبل میں امداد باہمی کے اصولوں پر عمل میں آنا چاہئے

مولوی فخر الدین حسن صاحب سابق شریک معتمد مکلی مجلس اتحاد المسلمین نے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے۔

گذشتہ ہفتہ مقامی اخبارات میں مولانا رشید تورابی صاحب کا بیان نظر سے گذرا جس میں مولانا موصوف نے صرف مارٹ کا نقطۂ نظر پیش فرمایا ہے۔ لہذا میں بہ حیثیت ایک موروثی کاشتکار کے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں طبقہ کاشتکار کا نقطۂ نظر بھی واضح کروں۔

اس جنگ نے کاشتکار طبقہ پر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ اس کو دیہاتی نفع اندوز طبقہ کے استبداد اور استحصال سے بہت کچھ حد تک نجات دلا دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ گذشتہ چند سالوں میں کاشتکاروں کی معاشی خوشحالی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور باوجود دیگر ضروریات زندگی کی گرانی کے ان کا معیار زندگی ایک ایسی بلند تر سطح پر آ گیا جس کی مثال آج سے پہلے کبھی نہیں ملتی۔ اس صورت حال کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ایک طرف تو ہماری حکومت نے انتہائی فراست اور دور اندیشی سے اجناس خوردنی کی قیمتوں کا تعین اس اصول پر کیا کہ پیدا کنندہ کو پیداوار کی جو قیمت حاصل ہو وہ حقیقی مصارف کاشت کو منہا کرنے کے بعد اس قدر ہو کہ کاشتکاروں کا عام معیار زندگی ایک بلند تر سطح پر آ جائے اور دوسری طرف انتہائی احتیاط سے یہ انتظام کیا کہ پیداوار کی جو قیمتیں مقرر کی گئیں وہ بلا کم و کاست کاشتکار کے ہاتھ تک پہونچ جائیں اور کوئی درمیانی آدمی ان میں حصہ دار نہ بنے۔

اب اگر حکومت ان انتظامات سے خود کو بے تعلق کرے تو سب سے پہلا رد عمل یہ ہوگا کہ غلہ کی قیمتیں گر کر انتہائی کمتر سطح پر آ جائیں گی اور درمیانی نفع اندوز طبقہ کاشتکار کی اس قلیل آمدنی میں حصہ دار بن کر اس کو اور بھی قلیل تر بنا دے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کاشتکاروں کی موجودہ خوشحالی باقی نہ رہے گی اور ان کو پست تر معیار زندگی کی جانب دوبارہ عود کرنا پڑے گا جس کا اثر پورے ملک کی معاشی خوشحالی پر پڑے گا کیونکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ملک کی خوشحالی و ترقی عبارت ہے دراصل کاشتکار طبقہ کی خوشحالی و فارغ البالی سے۔ نہ صرف ملک کی زرعی ترقیات کا دار و مدار کاشتکار طبقہ پر ہے بلکہ بالواسطہ طور پر صنعتی ترقیات کا انحصار بھی کاشتکاروں کی فارغ البالی ہی پر ہے کیونکہ صنعتی ترقی صرف اس وقت ممکن ہے جبکہ صنعتی مال کی کھپت کے لئے ملک میں بازار موجود ہوں اور بازار صرف اس وقت فراہم ہو سکتا ہے جبکہ کاشتکار کا معیار زندگی بلند ہو اور ان میں قوت خرید موجود ہو۔

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۱)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید

کانگریس نے اس بددلی اور شکست خوردگی پر جو سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہے پردہ ڈال دیا ہے لیکن پنجابی بات چیت میں کانگریسی لیڈر بڑی تکلیف کے احساس کے ساتھ کہتے ہیں کہ کانگریسی کارکن بددلی اور بے بسی کا شکار ہیں اور ان کی ہمت افزائی کی ضرورت ہے۔ عقلمند لیڈروں کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی پیٹھ ٹھونکیں۔ ان کو اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ انھوں نے جو شاہی کی تھی وہ کیوں ناکام ہو گئی اور ملک کے باشندے بے بسی کا شکار کیوں ہیں (پی۔ سی۔ جوشی)

اسوسی ایٹڈ پریس کی اطلاع ہے کہ:-

جب کل ہند کانگریس کمیٹی کے رکن ڈاکٹر اشرف تقریر کرنے کے لئے شہ نشین پر آئے تو ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔ اراکین نے موصوف کی تقریر سننے سے انکار کر دیا۔ بالآخر صدر کانگریس کے بچ بچاؤ سے کچھ سکون پیدا ہوا جس وقت ڈاکٹر اشرف نے حق خود ارادیت سے متعلق کانگریس کے رویہ پر تنقید کی تو جلسہ میں ہڑبونگ شروع ہو گئی اور صدر کانگریس نے یہ کہتے ہوئے کہ مقررہ پانچ منٹ ختم ہو گئے ڈاکٹر اشرف کو اپنی جگہ واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

ہمیں یقین نہیں آتا کہ آزادی تقریر کے علمبرداروں نے ڈاکٹر اشرف کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہوگا۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو کیمونسٹوں کو چاہئے کہ کانگریس کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ایک محفل مشاعرہ منعقد کریں۔ مصرعہ طرح حسب ذیل ہو:-

ہیچ یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

برطانیہ میں تقریباً چالیس لاکھ لڑکیوں کو بغیر شوہروں کے تنہائی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ اور امریکہ میں بھی بیس لاکھ لڑکیوں کا یہی حشر ہوگا۔ مجلس رہنمائی ازدواج کے معتمد ڈاکٹر ڈیوڈ میس کی رائے ہے کہ اس کا صرف ایک حل ہے کہ عورتوں کو مختلف پیشوں میں مصروف رکھا جائے تاکہ وہ اپنا وقت کاٹ سکیں۔ (مکتوب)

اس خبر کو اقبال مرحوم کے اس شعر کی روشنی میں پڑھنا چاہئے۔ ؎

فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

برطانیہ کی وزارت خارجہ سے یہ اعلان جاری ہوا ہے کہ حکومت برطانیہ کا یہ ارادہ ہے کہ مشرق وسطی کے باشندوں کی خوش حالی کو آگے بڑھانے میں مدد دی جائے۔ مشرق وسطی کے ممالک سے اشتراک عمل کی توقعات خوش آئند ہیں۔ (ایک خبر)

ہیچ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو!

مجلس عاملہ کانگریس کی ایک قرارداد میں بیان کیا گیا ہے کہ:-

ہندوستان کی موجودہ حکومت رشوت ستانی کی اس عام وبا کی ذمہ دار ہے جو سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ غذا اور کپڑے کی بدانتظامی اور بنگال کے قحط کی ذمہ داری بھی حکومت ہے۔

اُن لوگوں کے لئے جو ملک کی ریاستوں کے نظم و نسق کو ہدف ملامت بنانا اپنے سیاسی ایمان کا جزو سمجھتے ہیں۔

قیمتوں پر کنٹرول کے عنوان کے تحت سماچار ریت نے تحریر کیا ہے کہ:-

ہم اور کچھ وسط تک قیمتوں پر نگرانی کے مخالف نہیں ہیں۔ مگر قیمتوں پر نگرانی کا دوران جنگ کا پورا تجربہ نہایت تلخ رہا۔ قیمتوں پر نگرانی خاص طور پر اجناس پیدا کرنے والوں کے موافق نہیں رہی۔

اگر قیمتوں پر نگرانی کاشتکاروں کے لئے موافق نہیں رہی تو اور کچھ وسط تک قیمتوں پر نگرانی رکھنے کی تائید چہ معنی دارد؟ ہمارے ایک دوست جو ہمیں اضلاع اور مضافات میں گھومنے کا کافی موقع ملا ہے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اکثر کاشتکاروں کو چار مینار سگریٹ پیتے دیکھا ہے کاشتکار بجائے موٹا کپڑا خریدنے کے مہین کپڑے کی طرف مائل نظر آتے۔ اور اضلاع کے مستقر پر سینما دیکھنے کے لئے اکثر کاشتکار جوق در جوق آتے دکھائی دئے۔ پس ثابت ہوا کہ قیمتوں پر نگرانی کاشتکاروں کے موافق نہیں رہی۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل فرماتے ہیں کہ:-

انتخابات میں مقابلہ کا دوہرا مقصد ہے کانگریس دنیا کو بتا سکے کہ سارا ملک اس کے ساتھ ہے اور یہ کہ لوگ آزادی حاصل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

تو گویا انتخابات جیتنے سے آزادی مل جائے گی! سردار پٹیل یا تو خود فریبی میں مبتلا ہیں یا عوام فریبی کی کوشش کر رہے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ انتخابات کے بعد آپ کیا فرماتے ہیں۔

فرقہ داری جماعتیں اپنے اپنے فرقہ کی مدد تک سوچتے ہیں۔ کانگریس ہر مسئلہ پر قومی نقطۂ نگاہ سے غور کرتی ہے۔ (پنڈت جواہر لال نہرو)

ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگار خصوصی کا بیان ہے کہ صوبہ سندھ کی حد تک یہ بات طے پا چکی ہے کہ کانگریس اور مہاسبھا متحد ہو کر انتخابات میں لیگ کا مقابلہ کریں گے۔

بہرحال ہم پنڈت نہرو کی آتش بیانی سے گھبرا کر کانگریس کو غیر فرقہ وارانہ ادارہ تسلیم کر لیتے ہیں۔

ملکی مجلس کی صدارت پر مولوی ابوالحسن سید علی صاحب کا بلا مقابلہ انتخاب۔ (ایک خبر)

ہم مولوی یاسین زبیری صاحب کو ان کی دوامی مسندی پر مبارکباد دیتے ہیں۔

کانگریس نے حق خود ارادیت دینے سے انکار کر دیا

از
ڈاکٹر ادھیکاری

حق خود اختیاری پر یا یوں کہنا چاہیے کہ اکھنڈ ہندوستان پر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے پونا کے اجلاس میں جو تجویز منظور کی ہے وہ لیگی اور نیشنلسٹ خیال کے مسلمانوں کو یکساں طور سے مایوس کرے گی۔

سری نگر سے مولانا آزاد نے حق خود اختیاری پر کانگریس پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے جو بیان دیا تھا اس کو لیگی خیال کے مسلمان شبہ کی نظر سے دیکھ رہے تھے اب وہ کہیں گے کہ ہم تو پہلے ہی سے کہتے تھے کہ کانگریس مسلمانوں کو دھوکا دے رہی ہے کانگریس مسلمانوں کو آزاد نہ جینے دے گی اور نہیں مسلم علاقوں میں آزاد اور خود مختار حکومت نہ بنانے دے گی۔ اس کی وجہ سے الیکشن کے زمانہ میں اور الیکشن کے بعد کانگریسیوں اور لیگیوں کے درمیان کوئی تلخیاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے جس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاف کی خلیج اور زیادہ وسیع ہوگی۔ مسلم نیشنلسٹوں نے البتہ مولانا آزاد کے بیان کا خیر مقدم کیا تھا وہ بھی اس خیال سے کہ وہ حق خود اختیاری کو مسلم لیگ کے خلاف ایک حربے کی طرح استعمال کر سکیں گے اور مسلمانوں کو لیگی لیڈروں کے اثر سے الگ کر لیں گے ان نیشنلسٹ مسلمانوں کو بھی ورکنگ کمیٹی کی تجویز سے سخت مایوسی ہوگی۔ اب وہ کس منہ سے مسلمانوں کے پاس جائیں گے۔

کانگریس کے اندر اور کانگریس کے باہر جو مہا سبھائی عناصر ہیں وہ ضرور ورکنگ کمیٹی کی تجویز سے خوش ہوں گے وہ اطمینان کی سانس لیں گے کہ پنڈت جواہر لال کی اکھنڈ ہندوستان کی تجویز پر ورکنگ کمیٹی نے مہر تصدیق ثبت کر دی اور حق خود اختیاری کا جنازہ نکال دیا وہ خوش ہوں گے کہ اب راجہ گوپال اچاریہ یا گاندھی جی مسلمانوں کی دلجوئی کرنے کے لیے کسی علاقہ کی علاحدگی یا خود مختاری کی طرف میلان نہ دیں گے۔

ورکنگ کمیٹی نے اپنی تجویز سے حق خود اختیاری کے قصے ہی کو بالکل ختم کر دیا۔ اس نے اس نظریہ پر مہر تصدیق لگا دی کہ ہندوستان میں بحیثیت صرف ایک قوم آباد ہے ہندوستان سیاسی، معاشی، جغرافیائی، تہذیبی اور نسلی اعتبار سے ایک ہے۔ ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت ہوگی۔ تمام صوبوں کو خود مختاری (آٹونمی) ہوگی۔ اقلیتوں کے مذہبی حقوق کا تحفظ ہوگا۔ کانگریس کسی ایسی تجویز سے اتفاق نہیں کرے گی جس کا مقصد کسی علاقے کے اقتدار اعلیٰ اور حق علاحدگی کو تسلیم کرنا ہو لیکن اگر کسی علاقے کے باشندے اپنے اقتدار اعلیٰ اور حق علاحدگی کا مطالبہ کریں تو کانگریس زبردستی انہیں مجبور نہیں کرے گی کہ وہ متحدہ ہندوستان کے ساتھ مل کر رہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کانگریس الیکشن کے میدان میں یہ نعرہ لگائے گی کہ "ہم ایک مضبوط مرکزی قومی حکومت بنائیں گے جس میں قومی وحدتوں کو اقتدار اعلیٰ اور حق خود اختیاری کی بنیاد پر ان کی آزاد رائے سے شامل نہیں کیا جائے گا بلکہ ہماری اکثریت کے زور سے انہیں متحد رکھا جائے گا۔" کانگریس اپنے اس پروگرام سے ہندو مسلم مسئلے کو حل نہیں کر سکے گی بلکہ مسلمانوں کے اس خوف کو تقویت پہنچائے گی کہ کانگریس مسلمانوں کو ان کے علاقوں میں آزادی دینے کے لیے تیار نہیں ہے اور ہندوستان میں ہندو اقتدار قائم کرنا چاہتی ہے۔

ایک ایسے نازک موقع پر جب کہ ہماری قومی تحریک کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ تمام ہندوستانیوں کو آزادی کے مشترک مقصد کے لیے کس طرح متحد کیا جائے تاکہ وہ اپنی متحدہ کوشش سے ایک آزاد اور جمہوری ہندوستان کی تشکیل کر سکیں کانگریسی لیڈروں نے غلط راہ دکھائی۔ کانگریس نے اپنی تجویز سے اس بنیادی اصول کو مسترد کر دیا ہے جو ہماری دونوں قومی تحریکوں کے مشترکہ اور جائز مطالبات کے جھگڑے کو طے کر کے آزادی کے لیے متحدہ محاذ بنا سکتا تھا۔

مسلمان عوام کی اکثریت کانگریس میں شریک نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے ہے اور پاکستان کی حامی ہے کیا مسلم عوام اس لیے لیگ اور پاکستان کے حامی ہیں کہ وہ قدامت پرست ہیں۔ یہ خیال مسلمانوں کے جوش آزادی اور حب الوطنی کی توہین ہے۔ مسلم لیگ نے اپنی لاہور کی تجویز میں جو مطالبہ پاکستان پیش کیا ہے وہ نہ تو مذہبی ہے اور نہ غیر واضح ہے اس میں صاف یہ کہا گیا ہے:

"ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی علاقوں کی طرح جن علاقوں میں مسلم اکثریت ہے ان کو ملا کر ایسی آزاد ریاستیں بنائی جائیں جن کی وفاقی وحدتوں کو خود مختاری اور اعلیٰ اقتدار حاصل ہو۔"

پاکستان کی جمہوریت کی بنیاد میں حسب ذیل ہیں:

(۱) شمال مغربی پاکستان کی ایک وفاقی ریاست ہوگی جس میں سندھ، بلوچستان، پٹھانستان اور پنجاب کو سرحد کی تبدیلیوں اور سکھوں سے سمجھوتے کے بعد، خود مختاری اور اعلیٰ اقتدار حاصل ہوگا۔ مشرقی پاکستان میں بنگال اور آسام کے وہ حصے شامل ہوں گے جہاں بنگالی مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے۔

(۲) پاکستان کے وفاق میں ہندو اور دوسری اقلیتوں کے تہذیبی، مذہبی اور سیاسی حقوق کے لیے کافی اور پورے تحفظات ہوں گے۔

(۳) مسٹر جناح کے بیان کے مطابق پاکستان کی ریاست کی تشکیل وہاں کے تمام باشندے بالغ ووٹ سے وضع کریں گے۔

(۴) پاکستان ایک جمہوری ریاست ہوگی جو آزاد ہندوستان کی طرح بیرونی اقتدار سے آزاد ہوگی۔

(۵) دفاع وغیرہ کے مسئلہ پر پاکستان کے ہندوستان سے دوستانہ تعلقات ہوں گے جو پاکستان کے مفاد کے لیے ضروری ہے۔

پاکستان کے نام سے مسلم عوام میں جو ولولہ اور جوش پیدا ہوتا ہے وہ آزادی کا ولولہ اور جوش ہے سندھی، بلوچی، پنجابی اور پٹھان جو مسلم لیگ کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ وہ اپنے علاقوں میں اپنی زندگی کی خود تعمیر کرنے کے لیے مکمل آزادی چاہتے ہیں۔ ان کا نصب العین ہندوستان کی دوسری قوموں کے نصب العین سے ٹکراتا نہیں ہے۔ مرہٹے، گجراتی، اندھرا، تامل، بہاری، اڑیہ، کیرالا، کرناٹکی سب یہی چاہتے ہیں کہ انہیں مکمل آزادی اور اعلیٰ اقتدار حاصل ہو اور وہ اپنی آزاد رائے سے ایک متحدہ حکومت بنائیں۔ جو مسلمان لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو رہے ہیں ان کو ہندوستان کی مشترکہ آزادی اور جمہوریت کا ایک حصہ سمجھنا چاہیے۔

مسلمانوں کے اس مطالبہ آزادی کے متعلق کانگریس کیا کہتی ہے؟ کیا وہ مسلمانوں سے یہ کہے گی کہ تمہاری اپنے علاقوں میں مکمل آزادی اور اعلیٰ اقتدار کی خواہش حق بجانب ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ہماری مشترکہ ترقی اور بہبودی کے لیے یہ بہتر ہے کہ ہم ایک وفاقی ریاست قائم کریں جس میں تمام آزاد وحدتیں اپنے اقتدار اعلیٰ میں سے تھوڑا سا حصہ مرکز کو دیں اور باہمی سمجھوتے سے ایک وفاقی ریاست قائم کریں۔

لیکن کانگریس کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہے کانگریس مسلم قوموں کے حق خود مختاری اور اقتدار اعلیٰ کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ کہتی ہے کہ ہم سارے ہندوستان کو ایک مضبوط متحدہ ریاست بنائیں گے۔ اس کے ماتحت مسلم اکثریت کے علاقوں کو خود مختاری حاصل ہوگی اور ان کے تہذیبی اور مذہبی حقوق کا پورا تحفظ کیا جائے گا۔

اس پر مسلمان دریافت کریں گے کہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ مرکزی حکومت جو ہماری مرضی کے خلاف ہندو اکثریت کی بنیاد پر قائم ہوگی ہماری

(بقیہ صفحہ ۱۲)

مجوزہ نظام نو کا پس منظر

محکوم اور پس ماندہ اقوام کی بے بسی

۲۵ اپریل ۱۹۴۵ء کو جب سان فرانسسکو میں جنگ و اہتمام اور شور و ہنگامے کے درمیان تاریخ کی ایک بین الاقوامی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں دنیا کی ۴۶ قوموں نے [illegible] کہ دنیا کو جنگ کی مصیبتوں سے نجات دلا کر مستقل امن و امان قائم کریں۔ اس کانفرنس نے دو مہینوں کی بحث و مباحثہ اور رد و قدح کے بعد ۲۶ جون کو اپنا اجلاس ختم کیا اور منشور عالمی کونسل (مجلس امن) کی شکل میں اپنا نتیجہ فکر دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

دنیا کے نئے نظام کے [illegible] کرنے کے لئے یقینی پہلی [illegible] دنیا کا اتحاد [illegible] ہو جائے گی اور دنیا [illegible] کی فضا ہے [illegible] سے اور [illegible] کانفرنس کا انقلاب زیادہ [illegible] ہے کیونکہ اس کی فضا [illegible] اور [illegible] کی ناکامی کے [illegible] ختم ہو چکی تھی۔

امریکہ کے [illegible] مسٹر [illegible] نے [illegible] تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "اس کانفرنس کا مقصد جرمنی اور جاپان سے صلح کی دستاویزات تیار کرنا نہیں ہے اور نہ ہم اس کام کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ مختلف ممالک کے رقبوں اور سرحدوں کا تعین کریں۔ یا قیدیوں کے تبادلہ اور شہری حقوق کے سوال پر غور کریں بلکہ اس کانفرنس کے سامنے جو دلیل اور واحد مقصد ہے وہ یہ ہے کہ ہم ایک ایسی مشینری تیار کریں کہ دنیا میں امن و امان قائم رکھ سکے۔ ہمیں اس امر کا تہیہ کر لینا ہے کہ ہم دوسری جنگ نہ ہونے دیں گے اور اس کے امکانات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں گے۔"

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں کانفرنس کے مقاصد کی تشریح ممکن نہ تھی۔ چنانچہ ان الفاظ پر ہر طرف سے لبیک کہا گیا لیکن ابھی کانفرنس اپنا کام شروع بھی نہ کرنے پائی تھی کہ بڑی بڑی طاقتوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی باتوں پر مقابلہ اور جھگڑے شروع ہو گئے جس سے ان کی افزائش اقتدار کی حرص اور باہمی رقابتیں بری طرح نمایاں ہونے لگیں۔

جھگڑا پولینڈ کے مسئلے سے شروع ہوا جبکہ روس کے نمائندے مسٹر مولوٹوف نے لبلن گورنمنٹ کو کانفرنس میں مدعو کئے جانے کا مطالبہ پیش کیا لیکن مسٹر ایڈن اور مسٹر سٹیٹنیس نے اس مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہا کہ جب تک پولینڈ کی موجودہ حکومت یالٹا کے فیصلے کے مطابق از سر نو تشکیل نہ کی جائے برطانیہ اور امریکہ اسے تسلیم نہیں کر سکتے۔ نتیجہ ہوا اور یہ ہونا ہی تھا کہ روس، برطانیہ اور امریکہ کے علاوہ جو ۴۶ [illegible] جمع ہوئی تھیں ان کی کیا مجال کہ اس مسئلے پر زبان کشائی بھی کر سکیں۔

دوسرا قضیہ یہ شروع ہوا کہ روس اور امریکہ نے کانفرنس میں تین تین نشستوں کا مطالبہ کیا۔ اس قسم کی بین الاقوامی انجمنوں کا عام طور پر یہ اصول ہے کہ ایک قوم ایک ووٹ لیکن چونکہ [illegible] کا حصہ ہمیشہ زیادہ ہو سکتا ہے اس لئے برطانیہ کے چھ ووٹ ہو سکتے ہیں [illegible] مارشل اسٹالن اور روزویلٹ نے یالٹا میں طے کیا کہ دونوں تین تین ووٹ کا مطالبہ کریں تاکہ چرچل کے ووٹوں کا مقابلہ کر سکیں لیکن [illegible] صدر روزویلٹ کے [illegible] تو دونوں کے مطالبے [illegible] اور ایک [illegible] پر قناعت کی لیکن روس اپنے مطالبے پر قائم رہا۔ چنانچہ اسے دو نشستیں مزید مل گئیں۔

تیسرا جھگڑا مسئلہ صدارت اٹھا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ سان فرانسسکو کانفرنس کا صدر کون ہو۔ چونکہ امریکہ میزبان تھا اس لئے یہ مسئلہ تقریباً طے تھا کہ کانفرنس کی صدارت مسٹر سٹیٹنیس کریں گے جو اس جلسے کے میزبان بھی تھے لیکن اس موقع پر بھی مسٹر مولوٹوف نے یہ سوال اٹھایا کہ کانفرنس کی صدارت صرف امریکہ ہی کے حصے میں کیوں آئے بلکہ چاروں بڑی طاقتیں روس، امریکہ، برطانیہ اور چین یکے بعد دیگرے کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوں۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسئلہ [illegible] لیکن بالآخر مولوٹوف کی تجویز مان لی گئی۔

لیکن اس سلسلے میں جو سب سے اہم مسئلہ زیر بحث آیا وہ ویٹو کا مسئلہ تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ کانفرنس میں [illegible] بڑی سے بڑی [illegible] ہو سکتا ہے اور اس پر کارروائی کی جا سکتی ہے جسے پانچ بڑی طاقتیں روس، امریکہ، برطانیہ، چین اور فرانس پیش کرنا چاہیں۔ یعنی فرض کر لیجئے کہ اگر روس درہ دانیال پر زبردستی قبضہ کر لیتا ہے اور ترکی نمائندہ کانفرنس میں اس مسئلے کو پیش کرنا چاہتا ہے تو تاوقتیکہ پانچ بڑی طاقتیں متفقہ طور پر اس مسئلے کو زیر بحث لانا نہ چاہیں تب تک یہ مسئلہ زیر بحث آ ہی نہ سکے گا۔ اور نہ اس پر کانفرنس کسی قسم کا فیصلہ صادر کر سکے گی۔ لیکن یہ اسی صورت میں کہ یہ پانچوں طاقتیں متفق ہوں۔ ظاہر ہے کہ روس اس سے متفق نہ ہوگا کیونکہ وہ خود ایک فریق کی حیثیت رکھتا ہے [illegible] پانچوں طاقتیں متفقہ طور پر اس مسئلے میں اپنا ویٹو استعمال کریں گی اور اس مسئلے پر سرے سے کانفرنس میں بحث ہی نہ ہو سکے گی۔

ویٹو کا مسئلہ [illegible] تھا کہ [illegible] اور کسی کانفرنس [illegible] نے چھوا تک نہیں [illegible] یالٹا کانفرنس میں زیر بحث آیا۔ یالٹا میں یہ طے پائی کہ مجلس امن گیارہ اراکین پر مشتمل ہوگی۔ اراکین دو قسم کے ہوں گے۔

(۱) ۵ ممبر مستقل ممبر کہلائیں گے اور یہ پانچ ممبر روس، امریکہ، برطانیہ، چین اور فرانس ہوں گے۔

(۲) باقی (۶) اراکین بقیہ اقوام کے منتخب کئے ہوئے ہوں گے۔ قسم اول کے اراکین ہمیشہ [illegible] لیکن قسم دوم کے اراکین اپنی مدت ختم کرنے کے بعد اقوام کی اسمبلی سے برابر منتخب ہوا کریں گے [illegible] ممبروں کی کونسل (مجلس امن) اس امر کی ذمہ دار ہوگی [illegible] صلح و جنگ کے [illegible] فیصلے کرے اور ان فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عملی قدم اٹھائے۔

یالٹا کی [illegible] سان فرانسسکو میں [illegible] ہوئی اور [illegible] شامل کر دیا [illegible] لیکن [illegible] یہ ہے کہ ویٹو کے استعمال کا حق صرف پانچ مستقل اراکین ہی کو حاصل رہا اور جیسا کہ [illegible] ویٹو کے حق کو [illegible] کر دیا گیا کہ [illegible] پانچ طاقتوں میں سے ایک بھی اس امر پر رضامند نہ ہو کہ [illegible] مسئلے پر مجلس امن کوئی قدم اٹھائے تو مجلس امن خاموش رہے گی۔ ویٹو کے [illegible] صرف [illegible] ترمیم منظور کی گئی [illegible] اراکین کسی خاص مسئلے کو پیش [illegible] ہونے دینا چاہیں گے تو بھی وہ مسئلہ کارروائی کے طور پر کانفرنس میں زیر بحث آ سکے گا لیکن کانفرنس کے فیصلے کو ماننا نہ ماننا مستقل اراکین کے ہاتھ میں ہوگا۔ یعنی جس طرح ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کو کارروائی کے طور پر مباحثے پر بحث کرنے کا حق حاصل تو ہے لیکن ان کے کس فیصلے کو عملی جامہ پہنایا جائے اور کس فیصلے کو نہیں، یہ وائسرائے کے ہاتھ میں ہے اور ویٹو کا حق وائسرائے کو حاصل ہے [illegible] مجلس امن کے مستقل اراکین کو بھی اکثریت کے فیصلے کو [illegible] کرنے کا حق حاصل ہے۔

لیکن اس سلسلے میں سب سے پرلطف [illegible] حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ ویٹو کا نفاذ جن مستقل اراکین کے درمیان منعقد ہونا چاہئے یعنی کسی طاقت کے [illegible] کوئی فوجی کارروائی عمل میں نہیں لائی جا سکتی [illegible]

انجمن مستقل اراکین اس امر پر متفق نہ ہوں۔ مثلاً بعض دلائل اور شواہد کی بنا پر اگر کانفرنس یہ مطالبہ کرے، کہ یوگوسلاویہ کے اندرونی حالات امن عالم کے لئے تشفی بخش نہیں، اور وہاں فوجی مداخلت کی ضرورت ہے تو کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی جب تک کہ مستقل اراکین متحدہ و متفقہ طور پر اس سے متفق نہ ہوں یعنی فرض کر لیجئے کہ تنہا روس ہی اس مداخلت کے خلاف ہو تو یہ تجویز ناقابل عمل قرار پائے گی اور مجلس امن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہے گی اور کچھ نہ کر سکے گی۔

چونکہ بقول کانگریس ورکنگ کمیٹی بڑی بڑی قومیں اپنے وضع کئے ہوئے تمام قوانین اور بندشوں سے خود ہی نکل گئیں اور کانفرنس کی داروگیر کی دسترس سے باہر ہیں۔ فوجی کارروائی اسی حالت میں ہوگی جبکہ اس جھگڑے سے پانچ اراکین میں سے کسی کو کوئی دلچسپی نہ ہو۔

بہرحال سان فرانسسکو کانفرنس بھی جس پر ساری دنیا کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں ختم ہوئی اور امن عالم کی رکھوالی کے لئے کاؤنسل بھی بن گئی لیکن دنیا کے نقشہ میں ذرہ برابر تبدیلی نہ ہوئی۔ بلکہ آئے دن ایسی خبریں آ رہی ہیں۔ جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ لوگ تھک گئے ہوں یہ اور بات ہے ورنہ جنگ عظیم نمبر ۳ کے شروع ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہیں۔ یہ ہوتا آیا ہے کہ جوں ہی ایک جنگ ختم ہوتی ہے دوسری جنگ کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں اور یہی نقشہ ہمیں اس وقت بھی نظر آ رہا ہے۔ روس نے درۂ دانیال کا مطالبہ پیش کر دیا۔ ٹریسٹ کی بندرگاہ پر مارشل ٹیٹو کا دعویٰ ہے شام میں فرانسیسی شہنشاہیت کے مظالم "فرانکو کی حکومت کو ختم کر دینا چاہئے" یونان، دسیان، البانیہ اور یوگوسلاویہ کی سرحدوں پر ہنگامے" جرمنی تیسری جنگ کی تیاری کر رہا ہے۔

چونکہ یہ اور اسی قسم کی سرخیاں اخباروں میں آئے دن نظر سے گزرتی ہیں اور خدا جانے کب اور کس وقت بارود کے کنستر بھڑک اٹھے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو خود متحدہ اقوام میں زبردست اختلافات اور رقابت موجود ہے اور ہر ایک کی یہ کوشش ہے کہ وہ دوسرے پر بازی لے جائے لیکن اتفاق اور حالات کی سازگاری سے روس سبھوں سے آگے نکل گیا موجودہ جنگ درحقیقت یورپ پر اقتدار کی جنگ تھی اور روس اور جرمنی کی جنگ تھی۔ اس جنگ میں اگر کسی قوم نے واضح بڑے پیمانہ پر جنگ کی تیاری کی تھی تو وہ روس ہے جو عرصہ اس کے بعد جرمنی لیکن روس نے بڑی ہوشیاری سے اپنی تیاریوں کو مخفی رکھا۔

بعض لوگ مذاق سے کہا کرتے ہیں کہ اگر ہٹلر روس پر حملہ نہ کرتا اور روس کی جگہ انگلستان پر حملہ کر دیتا تو وہ لڑائی جیت لیتا۔ لیکن یہ کہنا سراسر حماقت ہے۔ ہٹلر اتنا احمق نہ تھا اسے پورا یقین تھا کہ جوں ہی وہ انگلستان کی طرف بڑھے گا، روس پیچھے سے اس پر حملہ کر دیگا۔ چنانچہ اس کا ثبوت آج روس کا جاپان پر حملے سے بھی مل جاتا ہے۔ ابتدائے جنگ میں روس کی خاموشی اور ایک حد تک ہٹلر کی ہمت افزائی صرف اس لئے تھی کہ ہٹلر کے حوصلے بڑھ جائیں اور وہ برطانیہ اور امریکہ سے الجھ جائے اور پھر اس کے بعد ہٹلر ان لوگوں کے چنگل سے بچ کر کہاں جائے گا اس میں شبہ نہیں کہ ہٹلر کی آنکھوں میں بھی روس کھٹک رہا تھا۔ لیکن اس کے سامنے بھی وہی سوال تھا یعنی یورپ کا اقتدار۔ اگر برطانیہ ہٹلر کی مدد کر کے روس کو ختم کرائے تو بڑا اور اگر روس کی مدد کر کے ہٹلر کو برباد کرائے تو بڑا۔ یورپ خواہ ان دو میں سے کسی کے اقتدار میں ہو برطانیہ کے لئے برا ہی ہے لیکن حالات نے کچھ ایسا دھکا دیا کہ برطانیہ کو روس کا ساتھ دینا پڑا۔ اور آج برطانیہ اور امریکہ کی وجہ سے سارے یورپ کا مالک بن بیٹھا۔

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

بہرحال اب صورت حال یہ ہے کہ سارا یورپ روس کے زیر نگیں ہے اور یورپ میں جرمن قوم کی بیداری کا صد سالہ نظریہ پاش پاش ہو چکا ہے۔ برلن پر سرخ جھنڈا لہرا رہا ہے پولینڈ، آسٹریا، ہنگری اور بلغاریہ پر روس کا اقتدار قائم ہو چکا ہے۔ اسی طرح [illegible] اور بلقان کی قومیں بھی سرخ جھنڈے کے نیچے آگئی ہیں فرانس کا استخلاص اگرچہ برطانوی اور امریکن فوجوں کے ذریعہ عمل میں آیا لیکن فرانس بڑی تیزی سے کمیونزم کی طرف مائل ہے اور ایک حد تک روس کا اقتدار قبول کر چکا ہے۔ برطانیہ کے تحت جو کچھ آتے وہ صرف اٹلی، بیلجیم اور یونان ہے لیکن اٹلی کی موجودہ انتظامی حالت کو ہیجان انگیز کمیونزم کی جانب سے اطالوی کے کمیونسٹوں نے مسولینی کو جس طرح قتل کیا وہ ظاہر ہے۔ یونان کی گزشتہ خانہ جنگی میں یہ بھی طرح بتلا دیتی ہے کہ برطانیہ کی وہاں کیا پوزیشن ہے اب بیلجیم تو اسے کبھی بھی کوئی طاقت تسلیم نہیں کیا گیا اور اس کا عدم وجود برابر ہے۔ اب لے دے کے صرف اسپین رہ جاتا ہے جہاں ہٹلر اور مسولینی کے دوست فرانکو برسر اقتدار ہیں فرانکو کس طرح اسپین کی سوشلسٹ حکومت کے خلاف بیرونی طاقت کی امداد سے کامیاب ہوا یہ کل کی بات ہے۔ اور وہ دن دور نہیں کہ فرانکو کو بستر گول کرنا پڑے۔

چونکہ اگر صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو یورپ کا کوئی ملک برطانیہ کے زیر اثر نہیں اور یہ یقیناً یہ اتنا بڑا خطرہ ہے کہ انگریز مدبروں کو چین سے سونے نہ دیتا ہوگا لیکن برطانیہ اور روس دونوں اس امر پر نہایت حساس ہیں کہ آپس میں نہ الجھیں۔ روس کو مشرق میں بھی ابھی بہت کچھ لینا ہے اور جو کام حیلے سے نکل جائے اس پر جھگڑا کیا سود ہے روس نے بڑی دانشمندی سے آخری وقت میں جاپان پر اعلان جنگ کر دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جاپان کی شکست کے بعد جاپان اور چین دونوں کا اقتدار قائم ہو جائے اور اس طرح روس یورپ اور امریکہ دونوں براعظموں کا واحد مالک بن بیٹھے۔

اب رہ گئی مسلم اسلامی ممالک کا تو غالباً یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے جنگ عظیم نمبر ۳ شروع ہوگی۔

بہرحال سان فرانسسکو کانفرنس میں ہمیں جو سب سے بڑی کمی نظر آتی ہے وہ باہمی اخلاص کی کمی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صرف حالات نے ان بڑی قوموں کو ایک دوسرے سے متحد کر دیا ہے ورنہ [illegible] دوسرے [illegible] دن ایک کی فکر میں لگی ہوئی ہے۔

لیکن سان فرانسسکو کانفرنس کو جس چیز نے کھوکھلا کر دیا ہے اور قطعاً مصنوعی رنگ دیدیا ہے" وہ نوآبادیات کا مسئلہ ہے۔ ان قوموں کے متعلق جو آزاد نہیں ہیں۔ سان فرانسسکو کانفرنس کا رویہ انتہائی قابل ملامت ہے۔ کانفرنس ابھی آزادی کا وعدہ نہیں کرتی ان کے لئے وہ لفظ آزادی کا استعمال بھی روا نہیں سمجھتی بلکہ صرف اس کی جگہ حکومت خود اختیاری کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی [illegible] سے لیکر مشورے [illegible] ہو سکتے ہیں۔

بہرحال ہم "نئی دنیا" اور "نئے نظام" کا جو خواب دیکھ رہے تھے اور جس کے متعلق ہمیں ابتدائے جنگ ہی سے سبز باغ دکھائے جا رہے تھے یہ ہے اس کی بھیانک تصویر جو بڑی بڑی طاقتوں کو اور بھی زیادہ مضبوط کر رہی ہے اور غلام قوموں کی زنجیروں کو اور بھی زیادہ مضبوط [illegible] حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی قوموں سے متعلق سان فرانسسکو کانفرنس کا رویہ آنجہانی لیگ آف نیشنز کے [illegible] سے بھی زیادہ بدتر [illegible] ہے جس پر اس [illegible] کا نام [illegible] کہا جا سکتا ہے اور جس سے یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ سان فرانسسکو کانفرنس کو بھی آخر میں آنجہانی جمعیت الاقوام کی راہ لینی پڑے گی۔

(نئی زندگی)

ہندوستانی ریاستوں میں اصلاح معاشرت

پچھلے چند سالوں میں ہندوستانی ریاستوں نے اصلاح معاشرت کے میدان میں حیرت انگیز ترقی کی ہے بعض امور میں وہ بجا طور پر بقیہ ہندوستان سے آگے بڑھ جانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ ان میں اکثر اصلاحات خود والیان ریاست کی ایما سے نافذ کئے گئے ہیں۔ دقیانوسی اور نقصان رساں رسم و رواج کے انسداد کے لئے قوانین بنائے گئے ہیں۔ بچوں کی شادی قانوناً ممنوع قرار دی گئی ہے۔ بیواؤں کو دوبارہ شادی کرنے کا مجاز گردانا گیا ہے۔ مندروں میں ہریجنوں کے داخلے کی اجازت دیدی گئی ہے۔ اور گداگری کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ ان تدابیر کو روبہ عمل لانے کے لئے بعض ریاستوں میں نئے محکمے قائم کئے گئے ہیں۔

ہریجنوں کی امداد

ہندوستانی ریاستوں کے حکمراں پست اقوام (ہریجنوں) کی اصلاح کے معاملے میں گہری دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ ان طبقوں کی تعلیم پر خاص توجہ کی جا رہی ہے اور ان کے لئے نہ صرف علیحدہ مدارس قائم کئے گئے ہیں بلکہ ہریجن بچوں کے لئے عام مدارس کے دروازے کھول دئے گئے ہیں۔ اکثر ریاستوں میں پست اقوام کے بچوں کو فیس معاف ہے اور بعض صورتوں میں انہیں تعلیمی وظائف دئے جاتے ہیں اور مفت کتابیں دی جاتی ہیں۔ ۱۹۳۳ء(?) میں میسور میں پست اقوام کے لئے (۵۱۴) مدارس قائم تھے جن میں ۱۰۳۰۰(?) طلبا زیر تعلیم تھے۔ اور عام مدرسوں میں تعلیم پانے والے ہریجن لڑکوں کی تعداد ۲۱۰۵۳ تھی۔ یہ ریاست پست اقوام کے طلبا کو سالانہ تقریباً ۲۰ ہزار روپیہ کے تعلیمی وظائف دیتی ہے۔ بڑودا میں ۱۹۴۱ء(?) میں پست اقوام کے ۲۴۵۰۳(?) لڑکے تعلیم پا رہے تھے۔ کوچین میں پست اقوام کے لئے علیحدہ مدارس ۱۸۹۰ء(?) میں اس وقت کھولے گئے جب کہ ہندوستان کے کسی دوسرے حصہ میں ایسے مدرسوں کا وجود نہ تھا۔ جودھپور میں پست اقوام کے لئے متعدد علیحدہ تعلیمی ادارے قائم ہیں اور ۱۹۴۲-۴۳ء کے موازنہ میں حکومت حیدرآباد نے پست اقوام کے بچوں کے لئے زیادہ مدارس قائم کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی مزید متوالی رقم منظور کی۔ گوالیار، بہاولپور، بیکانیر اور بعض دوسری ریاستوں میں بھی ایسے ادارے موجود ہیں۔

مندروں میں داخلہ کا مسئلہ

ہندوستان میں ہریجنوں کے مندروں میں داخلہ کا مسئلہ ایک عرصہ سے ایسا متنازعہ بنا ہوا ہے جس سے سخت الجھن اور تلخی پیدا ہو گئی ہے۔ متعدد ہندوستانی ریاستوں میں اس ناانصافی کا خاتمہ کرنے کے لئے تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ مندروں میں داخلہ سے متعلق ہز ہائینس مہاراجہ صاحب ٹراونکور کے فرمان کو بجا طور پر پست اقوام کا منشور اعظم کہا جا سکتا ہے۔ یہ فرمان پست اقوام کی سیاسی اور معاشرتی آزادی کے لئے نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ گوالیار، بڑودہ، اندور اور متعدد دوسری ریاستوں نے ٹراونکور کی تقلید کرتے ہوئے سرکاری مندروں کے دروازے ہریجنوں کے لئے کھول دئے ہیں۔

یکم مارچ ۱۹۳۸ء کو ہز ہائینس مہاراجہ صاحب اندور کا جاری کردہ فرمان خاص اہمیت کا حامل ہے جس کی رو سے ہریجن نہ صرف سرکاری مندروں میں داخل ہو سکتے ہیں بلکہ وہ موجودہ باؤلیوں اور ان تمام باؤلیوں کے پانی سے استفادہ کر سکتے ہیں جو سرکاری امداد سے بنائی جائیں۔ ہریجنوں کو ان تمام علاقوں میں زمینیں اور مکان بنانے کی آزادی حاصل ہے جہاں اعلیٰ ذات کے لوگ رہتے سہتے ہیں۔ اس کے علاوہ سرکاری محکموں میں ہریجنوں کے تقرر پر کوئی تحدید نہیں ہے۔

شادی کے رواج کی اصلاح

ہندوستانی سماج میں بچوں کی شادی کا جو مضر رواج ہے اس کے انسداد کی ہندوستانی ریاستوں کی عمر (۱۸) سال اور لڑکیوں کی (۱۴) سال مقرر کی۔ بعد میں برطانوی ہند میں شادی کے لئے یہی عمریں مقرر کی گئیں۔ اندور، بڑودا، بیکانیر، حیدرآباد، گوالیار اور متعدد دوسری ریاستوں میں عمر کی حدیں متعین کرنے کے لئے ایسے ہی قوانین منظور کئے گئے ہیں۔ بعض ریاستوں میں غیر مساوی شادیوں یعنی ایسی شادیوں کا طریقہ مسدود کر دیا گیا ہے جہاں شادی کرنے والوں کی عمروں کے درمیان نامناسب تفاوت ہو۔ مثلاً بڑودا، اندور، بیکانیر اور گوالیار نے ایسی شادیوں کو ممنوع قرار دینے کے لئے خاص ضوابط منظور کئے ہیں۔ ان ریاستوں میں ۴۵ سال یا اس سے زیادہ عمر والا کوئی مرد ۱۸ سال سے کم عمر کی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔

قبل از وقت بیوہ ہو جانے والی ہندو لڑکیوں کی کثیر تعداد کو قانوناً دوبارہ شادی کرنے کی اجازت دے کر اصلاح کے اس میدان میں ایک اور قدم اٹھایا گیا ہے۔ اندور، بڑودا، گوالیار، حیدرآباد اور کشمیر نے ایسی شادیوں کو جائز قرار دینے کے لئے قوانین بنائے ہیں۔

بعض ریاستوں نے سیول میرج کا قانون منظور کر کے اصلاح معاشرت کے سلسلہ میں کوئی اہم قدم اٹھایا ہے۔ اس قانون کی رو سے ان لوگوں کو آزادی عمل حاصل ہے جو ذات اور فرقہ کی قیود سے نکل کر اپنے معاشرتی دائرہ کو وسعت دینا چاہتے ہیں۔ ریاست جودھپور نے یہ قانون ۱۹۴۱ء میں منظور کیا تھا۔

گداگری کی ممانعت

ہندوستانی ریاستوں میں گداگروں یتیموں کے مسائل کو کامیاب اور موثر طور پر حل کیا گیا ہے مثلاً بھوپال، ٹراونکور اور میسور میں بھیک مانگنے کی ممانعت کر دی گئی ہے ان ریاستوں میں محتاج خانے اور خیراتی ادارے قائم کئے گئے ہیں جہاں ایسے مفلس لوگ نیز ضعیف اور بوڑھے آدمیوں کو جو اپنا روزگار کمانے کے قابل نہیں ہیں رکھا جاتا اور کھانا اور کپڑا دیا جاتا ہے۔ حیدرآباد، گوالیار اور بڑودہ میں یتیم خانے قائم ہیں جنہیں بہترین اصولوں پر چلایا جاتا ہے۔ جودھپور میں ایک خیراتی فنڈ اس غرض سے قائم ہے کہ غریب اور یتیم لڑکیوں کی شادیوں کا انتظام کیا جائے۔

دیہی معیشت

ہندوستانی ریاستوں نے کاشتکاروں کی معاشرتی حالت میں زبردست اصلاح کی ہے۔ تقریباً تمام ریاستوں میں تنظیم دیہی کے متعدد محکمے قائم کئے گئے ہیں۔ یہ ان سرگرمیوں کی طرف خاص توجہ کرتے ہیں جن کا مقصد دیہی آبادی کی مالی اور معاشی فلاح و بہبود کو آگے بڑھانا ہے۔

ساہوکاروں کے مقابلے میں کاشتکار کمزور ہیں۔ ساہوکار انکی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ملک کے معمولی قوانین ان کے حق میں انصاف کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے کئی ریاستوں میں کسانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے قانون ساہوکاران، قانون امداد کاشتکاران اور قانون قرضہ جات ایسے دوسرے قوانین نافذ کئے گئے ہیں۔ انہیں ساہوکار کے پنجہ سے بچانے کے لئے جیل سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

مزدوروں کی فلاح کے قوانین

ہندوستانی ریاستوں نے قانون امداد معاوضہ زچگی، قانون ادائی اجرت، قانون معاوضہ مزدوران، قانون حالات، قانون کارخانہ جیسے قوانین منظور کر کے مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کی ہے۔ اندور، گوالیار، حیدرآباد، میسور، بیکانیر، جوناگڈھ اور جے پور میں قوانین نافذ کئے گئے ہیں۔ فی الحال ہی میں کشمیر میں بچوں سے مزدوری کا کام لینے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

کفایت شعاری کی عادت ڈالنے اور تجہیز و تکفین کے مراسم کے سلسلہ میں عوام کو بیجا مصارف سے بچانے کے لئے بڑودا، اندور اور بڑودا قانون تحدید مصارف منظور کیا ہے۔ اس قانون کے تحت

کی ایک دن میں ۱۰۵ سے زائد آدمیوں کو کھانا نہیں
سکتی۔ اس قانون کی بدولت کثیر رقمیں بچ گئی
ہیں جنہیں دوسرے مفید اغراض کے لئے استعمال کیا
جا سکتا ہے۔

فرقہ واری ہم آہنگی

ہندوستانی ریاستوں میں ایک عرصہ سے فرقہ واری ہم آہنگی اور اتحاد کی فضا پائی جاتی ہے والیان ریاست اپنی ہندو اور مسلم رعایا کے درمیان خلوص اور دوستی کے جذبہ کو ترقی دینے میں خاص دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ متعدد ریاستوں میں منادر و مساجد اور گرجا پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں حال ہی میں کچھ عرصہ قبل ... میں فرقہ واری ہم آہنگی اور باہمی خیرسگالی کو ترقی دینے کے لئے ایک جماعت اتحاد (یونٹی لیگ) قائم کی گئی ہے حیدرآباد میں فرقہ واری ملاپ کو آگے بڑھانے کے لئے غیر سرکاری اراکین کی متعدد کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ یہ کمیٹیاں ایسے امور کا دوستانہ طور پر تصفیہ کرتی ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کوششوں کے نتائج بہت ہمت افزا رہے ہیں اور اس وقت حیدرآباد میں کوئی مذہبی کشیدگی نہیں پائی جاتی۔

روشن خیالی

دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند ہونے کے باوجود اعلیٰ حضرت خسرو دکن و برار نے اپنی رعایا کے سامنے سادہ زندگی اور بلند خیالی کی بہترین مثال قائم فرمائی ہے۔ ہندوستان میں پردہ کی قیود توڑنے میں ہندوستانی والیان ریاست پیش پیش رہے ہیں۔ متعدد حکمران خاندان کی خواتین ریاستوں میں عورتوں اور بچوں کی حالت سدھارنے کے کام میں بھی حصہ لے رہی ہیں۔ اس سے ہندوستان میں معاشرتی اصلاحات کی رفتار تیز تر ہو گئی ہے۔

اجناس خوردنی کی فراہمی اور تقسیم کا انتظام مستقبل میں امداد باہمی کے اصولوں پر عمل میں آنا چاہیے

بقیہ سلسلہ صفحہ (۵)

گزشتہ چند سالوں کے عرصہ میں کاشتکار طبقہ جس بلند معیار زندگی کا عادی بن گیا ہے اگر یہ معیار زندگی اس سے چھین لیا گیا اور قبل جنگ کے معیار زندگی پر اس کو دوبارہ واپس کر دیا گیا تو صرف معاشی اعتبار سے یہ عمل ملک کے لئے ایک بہت بڑا المیہ ہوگا بلکہ بحیثیت ایک کاشتکار کے میں بلا تکلف یہ کہنے پر آمادہ ہوں کہ اس کے سیاسی نتائج بھی انتہائی تباہ کن ہوں گے کیونکہ کاشتکار طبقہ میں اس سے جو بے چینی پیدا ہوگی وہ کسی دوسرے طبقہ کی بے چینی سے بہت زیادہ حکومت اور ملک کے لئے سنگین اور خطرناک ثابت ہوگی لہٰذا حکومت کو میرا یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ موجودہ انتظامات کو اس وقت تک قائم رکھے تاآنکہ امداد باہمی کے اصولوں پر ایک ایسا مستقل نظام قائم کرنے میں اس کو کامیابی نہ ہو جائے جو کاشتکار طبقہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے درمیانی نفع اندوز طبقہ کے استبداد اور استحصال سے نجات دلا دے۔

ہندوستانی مزدوروں کا مستقبل

بقیہ سلسلہ صفحہ (اول)

لہٰذا اگر ایک منظم لائحہ عمل کے تحت تعمیری کاموں کو شروع کر دیا جائے تو روزگار کی موجودہ سطح قائم رہ سکے گی۔ صنعتی چہل پہل کے علاوہ اگر کام کے اوقات میں تخفیف کی جائے تو بیروزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔ کناڈا میں ابھی حال میں یہ تجربہ کیا گیا کہ کام کے اوقات کو ہفتہ میں (۴۸) گھنٹوں کے بجائے (۴۰) گھنٹے کر دیا گیا۔ اس تجربہ سے پیداوار میں اضافہ ہوا۔ جنگ کے اختتام کے ساتھ ہی آجر گرانی الاؤنس کو گھٹانے یا موقوف کرنے کی سوچ رہے ہیں اس سے بالواسطہ طور پر اجرتوں میں تخفیف ہو جائے گی۔ احمدآباد کی گرنیوں کے مالکوں نے بیان کیا۔ ایک طرف تو ہندوستانی مزدوروں کی شرح اجرت پست ہے اور دوسری طرف گرانی الاؤنس سے جو انہیں ملتا ہے وہ بڑھتے ہوئے مصارف کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ گرانی الاؤنس یا بنیادی اجرتوں میں تخفیف ہندوستانی مزدوروں کے ساتھ بڑی ناانصافی کا باعث ہوگی خاص کر جبکہ موجودہ مصارف زندگی کی سطح قبل جنگ سطح پر عود نہیں کرے گی۔ ان حالات میں حکومت کا فرض ہے کہ اجرتوں کی تخفیف کو روکنے کے لئے قانون نافذ کرے۔

کانگریس نے حق خود ارادیت دینے سے انکار کر دیا

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۶)

خود مختاری کو تسلیم نہیں کرے گی۔ اس کانگریس کا جواب ہے کہ ہمیں کانگریس کی جمہوری روایات پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ کانگریس کسی علاقے کو اس کے باشندوں کی مرضی کے خلاف ہندوستانی یونین میں زبردستی شریک نہیں کرے گی۔ اس کا جواب مسلمانوں کی طرف سے یہ ہے کہ ہم ایک مکمل طور سے آزاد اور علاوہ پاکستان سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ہمیں بنگال ۔ پنجاب ۔ سرحد اور مسٹر جناح کی تجویز الکشن پر ۔ سکتے ہیں اور اس کے بعد ترین نتائج پیدا کرے گی۔ یہ تجویز ان مہاسبھائی عناصر کی ہے جو ہمیشہ یہ چاہتے تھے کہ کانگریس حق خود ارادیت کے جمہوری اصول کو مسترد کر دے۔ اسی لئے انہوں نے راجہ جی کے فارمولے اور گاندھی جی کی پیش کش کی بھی مخالفت کی تھی۔ پنجاب میں ڈاکٹر گوپی چند بھارگوا لیڈر پی ۔ میں ٹنڈن جی، بنگال میں کیرن شنکر رائے اور اسی قسم کے دوسرے کانگریسی لیڈر جنہوں نے گاندھی جی اور راجہ جی کی پالیسی کی مخالفت کی تھی، اب خوش ہوں گے کہ کانگریس نے اپنی پالیسی بدل دی۔ ان لوگوں کا لیگ دشمن، پاکستان دشمن اور مسلمان دشمن پروپگنڈا نیشلسٹ مسلمانوں کو بھی ناگوار ہے لیکن اب کانگریس کے پلیٹ فارم سے انہیں کی آواز بلند ہوگی۔ پاکستان کو قرون وسطیٰ کی مذہبی حکومت کا نام دیا جائے گا۔ اور لیگی لیڈروں کو انگریزی سامراج کے پٹھو کہہ کر بدنام کیا جائے گا۔

کانگریس کی اس پالیسی سے ہندو مہا سبھا فائدہ اٹھائے گی جس کا نعرہ ہندی ہندو ہندوستان ہے۔ سوراج کے لئے ہندو مسلم اتحاد خود کانگریس نے ہی ایجاد کیا تھا اور کانگریس ہی نے اس تلوار کو توڑ دیا۔ کانگریس جس نے بیس برس پہلے سوراج خلافت تحریک کے دنوں میں ایک شاندار عہد کی ابتدا کی تھی اب ملک کی ہندو مسلم کشمکش کو دور کرنے میں ناکام نظر آ رہی ہے۔

احمدیہ پریس چارمینار میں طبع ہو کر دفتر ملکت سانچہ توپ سے شائع ہوا۔